بلاک-4

اکائی-3 خطوط نویسی اور وصیتیں

اکائی کے اجزاء

3.1 مقصد
3.2 تمہید
3.3 عصر اموی میں خطوط نویسی
3.3.1 سیاسی خطوط نویسی
3.3.1.1 خوارج کی خطوط نگاری
3.3.1.2 شیعوں کی خطوط نگاری
3.3.1.3 بنو امیہ کی خطوط نگاری
3.3.2 واعظانہ خطوط نویسی
3.3.3 ذاتی خطوط
3.3.4 دیوان الرسائل
3.4 عصر اموی میں توصیات یا ادب الوصایا
3.4.1 عصر جاہلی میں ادب الوصایا
3.4.2 عصر رسول اور خلافت راشدہ میں ادب الوصایا
3.4.3 عصر اموی میں ادب الوصایا
3.5 خلاصہ
3.6 فرہنگ
3.7 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

3.1 مقصد

اس اکائی کا اصل مقصد اموی دور میں خط وکتاب اور ادب الوصایا یا توصیات کا جو سلسلہ قائم ہوا اس کا ایک مختلف تعارف پیش کرنا ہے، یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اس دور کے خطوط اور وصیتیں ادبی اہمیت کی حامل ہیں اور ان سے اس دور کے حالات کا بھی پتہ چلتا ہے۔

3.2 تمہید

خطوط نویسی اور ادب الوصایا کو قدیم ادب کا ایک اہم حصہ مانا جاتا ہے اور یہ بات جگہ بالکل صحیح ہے۔ ان دونوں نثری فنون کے ذریعہ ہمیں متعلقہ عہد کے احوال و کوائف اور حالات زندگی کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے، چنانچہ عصر اموی کے جو خطوط اور وصیتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ ایک طرف جہاں اپنی ادبی اور فنی حیثیت سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں اور اہم سرمایہ مانی جاتی ہیں تو وہیں وہ خطوط اور وصیتیں اس عہد کے سیاسی، سماجی، دینی حالات اور لوگوں کے ذاتی حالات کے بہت سے پہلوؤں کو ہمارے سامنے اجاگر

کرتی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ اس عہد کے بہت سے خطوط اور بہت سی وصیتیں ہم تک نہ پہنچ سکیں لیکن جو کچھ بھی ہم تک پہنچ سکی ہیں وہ یقیناً اہم ادبی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو خطوط اس عہد کے ہم تک پہنچے ہیں ان میں سیاسی خطوط بھی ہیں مثلاً بنوامیہ کے خلفاء اور والیوں کے لکھے ہوئے خطوط یا خوارج، شیعہ اور عبداللہ بن زبیر کے جماعت کے ذریعہ لکھے ہوئے خطوط، وہیں ان میں واعظانہ اور ناصحانہ خطوط بھی شامل ہیں، تو وہیں اس دور کے بہت سے ذاتی خطوط بھی ہم تک پہنچے ہیں، اگر چہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اموی خلفاء نے ایک شعبہ بھی سرکاری خط وکتابت کے لئے خاص کر رکھا تھا جس میں سرکاری خطوط کو لکھنے، اور انہیں ارسال کرنے کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا، یہ شعبہ دیوان الرسائل کہلاتا تھا۔ اس عہد کی خطوط نویسی سے متعلق ان سبھی پہلوؤں کا اس اکائی کے تحت تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

جہاں تک بات اس دور کے ادب الوصایا یا وصیتوں کی ہے تو ان پر بھی عموماً ادبی رنگ غالب ہوتا تھا اور وہ سیاسی وغیر سیاسی نوعیت کی ہوا کرتی تھیں۔ اس موضوع کے تحت اس اکائی میں سب سے پہلے ادب الوصایا کا مختصر پس منظر پیش کیا گیا ہے، اور عہد جاہلی وعہد اسلامی میں اس کی اہمیت پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ عصر اموی میں وصیتوں کی جو مختلف شکلیں موجود تھیں ان کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے اس دور کے نثری ارتقاء کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

3.3 عصر اموی میں خطوط نویسی

خط وکتابت اور مراسلت کو اس دور کے نثری سرمایہ کا ایک اہم حصہ مانا جاتا ہے، یہ سلسلہ اگر چہ عصر رسول اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری تھا، اور اس دور کے خطوط کے نمونے تاریخ وادب کے مصادر میں موجود ہیں، لیکن اموی دور میں چونکہ اسلامی ریاست بہت وسیع وعریض ہو چکی تھی، اس لئے خلیفہ اور والیوں کو اپنے ماتحت علاقوں میں موجود اپنے قائدین اور نمائندوں سے رابطے کے لئے خط وکتابت کا ہی سہارا لینا پڑتا تھا، اس کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، اسی سلسلے میں مختصر گفتگو اس موضوع کے تحت کی گئی ہے۔

ویسے تو اس دور کے جو خطوط مختلف مراجع کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے کچھ مراجع قابل اعتماد یا مستند نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ان میں وارد بے شمار خطوط ہم پورے یقین کے ساتھ نہیں لے سکتے، البتہ کچھ مستند مراجع جیسے جیسے جاحظ کی البیان والتبیین، امام طبری کی تاریخ الطبری اور المبرد کی الکامل وغیرہ ایسے مراجع ہیں جن میں کثیر تعداد میں اس دور کے خطوط موجود ہیں اور ان کی روشنی میں اس دور میں فن خطوط نویسی کے ارتقاء کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ان مراجع میں امام طبری کی تاریخ کو خاص طور سے اہم مرجع مانا جاتا ہے۔

اس دور کے جو خطوط ہم تک پہنچے ہیں ان میں اگر چہ خوارج، شیعہ، عبداللہ بن زبیر، بنوامیہ اور واعظین جیسی جماعتوں کے خطوط موجود ہیں، لیکن سب سے زیادہ خطوط جو ان مراجع میں موجود ہیں وہ خوارج کی طرف منسوب ہیں۔

فرقۂ خوارج کے اندر جو آپسی اختلافات تھے ان سے ہم سب بخوبی واقف ہیں، یہ فرقہ بنیادی طور پر چار فرقوں یعنی ازارقہ، نجدیہ، صفریہ اور اباضیہ میں منقسم تھا، اور آپس میں فکری اور سیاسی اختلافات اپنے عروج پر تھے، ان فرقوں کے رہنماؤں اور قائدین کے درمیان مختلف مسائل کو لے کر خوب خط وکتابت ہوتی تھی، مثال کے طور پر ازارقہ کے قائدین نافع بن ازرق اور قطری بن الفجاءہ کی جو خط وکتابت حجاج بن یوسف سے ہوئی اس کو اس عہد کی خط وکتابت کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ان خطوط میں ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے تھے۔

اگر ہم اس دور میں شیعوں کے خطوط کی بات کریں تو جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ ان کی تعداد بے شمار ہے، البتہ زیادہ تر غیر مستند کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، جماعت شیعہ کے جو خطوط ہم تک اس دور کے پہنچے ہیں ان میں وہ خطوط خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کو ان کے قائدین نے اپنے متبعین کے نام روانہ کیا، جیسے سلیمان بن صرد اور مختار الثقفی وغیرہ، اس کے علاوہ ان کے وہ خطوط بھی موجود ہیں جو انہوں نے دوسری جماعتوں اور فرقوں کے قائدین اور رہنماؤں کے نام لکھے تھے۔ ایسے ہی تاریخ کی کتابوں میں عبداللہ بن الزبیر اور ان کے والیوں کے کئی خطوط موجود ہیں، ان میں عبداللہ بن زبیر کا وہ خط بھی ہے جو انہوں نے شیعہ رہنما مختار الثقفی کے نام لکھا تھا، رہی بات بنوامیہ کی تو چونکہ وہ صاحب اقتدار تھے اس لئے انتظامی امور کی ادائیگی کے لئے خط وکتابت ان کی ایک بنیادی ضرورت تھی، چنانچہ خلفاء اپنے والیوں کو خطوط بھیجا کرتے تھے اور والی ان کے خطوط کا جواب لکھتے تھے، اسی طرح قائدین جب بھی کوئی نیا علاقہ فتح کرتے تو فوراً خط لکھ کر اپنے والی اور خلیفہ کی جانب روانہ کرتے تھے، بہت سے معاہدے بھی خطوط کے ذریعہ روانہ کئے جاتے تھے۔

اس ضمن میں خاص طور سے اولین دور میں جن خطوط کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں زیاد بن ابیہ اور امیر معاویہ کے درمیان ہونے والی خط وکتابت، یزید بن معاویہ اور حجاز

میں موجود ان کے والیوں کے درمیان ہونے والی مراسلت، اور یزید اور عراق میں ان کے والی عبیداللہ بن زیادہ کے درمیان ہونے والی خط وکتابت قابل ذکر ہے۔ عبدالملک بن مروان کا عہد اس حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اسی کے عہد میں سب سے زیادہ خط وکتابت ہوئی اور اس میں بھی خاص طور سے خلیفہ اور اس کے والی حجاج بن یوسف کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی وہ اس دور کی خط وکتابت کا اہم سرمایہ مانا جاتا ہے۔ خود حجاج بھی اپنے قائدین اور ماتحتوں سے کثرت سے خط وکتابت کیا کرتا تھا، اسی طرح حجاج اور اس کے مخالفین اور باغیوں کے درمیان بھی خوب خط وکتابت ہوتی تھی جس کے نمونے تاریخ وادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں، حجاج کا جس طرح خطابت میں اپنا ایک منفرد انداز تھا اسی طرح خط وکتابت میں بھی اس کا ایک خاص انداز تھا۔

اس کے علاوہ وعظ ونصیحت پر مبنی کچھ خطوط بھی اس عہد کے ہم تک پہنچے ہیں، اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ واعظین کو خط لکھ کر ان سے یہ گزارش کرتے تھے کہ وہ انھیں اپنی طرف سے نصیحت لکھ کر بھیجیں چنانچہ آپ نے اپنے عہد کے امام حسن بصری کو لکھا کہ وہ ان کو مفید مشوروں اور نصیحتوں سے نوازیں چنانچہ حسن بصری نے ان کو ایک خط اس بابت لکھا جو اس دور کی خط وکتابت کے اہم نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس خط میں امام صاحب نے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بعث بعد الموت اور تقویٰ جیسے موضوعات پر گفتگو کی ہے۔

جاحظ نے حسن بصری کی فصاحت وبلاغت کی خاص طور سے بہت تعریف لکھی اور یہ بھی لکھا ہے بعد کے دور میں بھی ان کے اسلوب کو لوگ اپناتے رہے۔

سیاسی اور دینی خط وکتابت کے علاوہ شخصی خط وکتابت کو بھی اس دور میں رواج حاصل ہوا، چونکہ اب اسلامی ریاست بہت وسیع وعریض ہو چکی تھی اس لئے خط وکتابت کے ذریعہ ہی ایک دوسرے تک اپنا پیغام پہنچانا اور خیر خبر لینا ممکن تھا، لہٰذا شخصی خط وکتابت کا دائرہ بھی بہت وسیع ہوا، لیکن اس نوعیت کے زیادہ تر خطوط ہم تک اس طرح نہیں پہنچ سکے جس طرح دوسری اقسام کے خطوط ہم تک پہنچے ہیں، البتہ جو خطوط بھی اس قسم کے ہم تک پہنچے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شخصی خطوط میں بھی زبان وبیان کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، ان میں بھی عبارتیں مسجع اور مقفی ہوا کرتی تھیں۔

3.3.1 سیاسی خطوط نویسی

3.3.1.1 خوارج کی خطوط نگاری

ازارقہ کی جماعت نے اپنے رہنما نافع بن ازرق کی سربراہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہر وہ بات جو انھیں غلط معلوم ہوگی اس کے خلاف انہیں تلوار نکال لینا ہے، چاہے اس کے لئے مسلمانوں کا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے، اور معصوم بچوں تک کو قتل کرنا پڑے جب کہ خوارج کی ہی دیگر جماعتوں نے ان کے اس موقف کی سختی سے مخالفت کی، اس طرح کے موضوعات کو لے کر ان فرقوں میں آپس میں خط وکتابت کی ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی، اسی نوعیت کے دو خطوط المبرد نے اپنی کتاب الکامل میں ذکر کئے ہیں جن کا تبادلہ نجدات فرقہ کے سربراہ نجدہ بن عامر الحنفی اور ازارقہ فرقہ کی سربراہ نافع بن ازرق کے درمیان ہوا، اس خط میں نجدہ نافع پر حملہ کرتا ہے، اور پھر نافع اس کا جواب دیتا ہے، دونوں ہی خط فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار کے حامل اور نہایت دلچسپ ہیں۔

ایسے ہی جب ازارقہ کی جماعت نے اپنے ایک دوسرے رہنما قطری بن الفجاءۃ کی سربراہی میں حجاج بن یوسف کے خلاف اعلان جنگ کیا جو اس وقت عراق کے گورنر تھے اس موقع پر بھی دونوں رہنماؤں اور سپہ سالاروں میں خط وکتابت کا سلسلہ پورے شد ومد کے ساتھ جاری رہا، چنانچہ حجاج نے قطری کو دھمکی آمیز خط لکھ کر اس کو ڈرانے اور دبانے کی کوشش کی تو وہیں قطری نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے حجاج کے خط کا سخت لب ولہجے میں جواب دیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان دونوں خطوط کی کچھ عبارتیں نقل کی جائیں تا کہ اس دور کی سیاسی خط وکتاب کی ایک جھلک ہمارے سامنے آجائے اور ہمیں اس کے اسلوب اور انداز وبیان کا کچھ اندازہ ہو سکے، حجاج بن یوسف نے قطری کے نام جو خط لکھا وہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

" سلام عليك۔ أما بعد! فإنك مَرَقْتَ من الدين مُروقَ السهم من الرَّمِيَّة، وقد علمتَ حيث تَجَرْثَمْتَ، ذلك انك عاص لله ولولاة أمره، غير انك اعرابى جِلْفٌ أُمِّى تستطعم الكسرةَ وتستشفى بالتمرة، والأمور عليك حسرةٌ، خرجتَ لتنال شبعة، فلحق بك طَغامٌ صلوا بم صليت به من العيش فهم يهزون الرماح ويستنشوون الرياح على خوف و جهد من امورهم، وماأصبحوا ينتظرون اعظم مما جهلوا معرفته، ثم أهلكهم الله بنزحتين ۔ والسلام"

(ترجمہ: تم پر سلامتی ہو، تم دین سے ایسے ہی نکل گئے ہو جیسے کوئی تیر اپنے شکار کو چیرتے ہوئے نکل جاتا ہے، اور تم نے کیا غلطی کی ہے تم بخوبی جانتے ہو، تم نے اللہ اور

اس کے اولیاء کی نافرمانی کی ہے، اس کے علاوہ تم سخت مزاج بدو ہو اور ان پڑھ ہو، اور دوسروں کے نوالوں پر جیتے ہو اور صرف کھجور کھا کر اپنا علاج کرتے ہو، اور تمہارا ہر معاملہ تمہارے لئے افسوس اور حسرت وندامت کا سبب بنتا ہے، تم اپنی بھوک مٹانے نکلے تھے اور غنڈے موالی تمہارے ساتھ ہو لئے اور وہ بھی تمہاری ہی طرح جینے لگے، ہوا میں نیزے لہراتے ہیں جب کہ پیٹ بالکل خالی ہوتا ہے، دل میں خوف ہوتا ہے اور تھکن سے چور ہوتے ہیں، اور انھیں یہ بھی نہیں پتہ کہ جو چیز آنے والی ہے وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے جس کی وہ توقع کر رہے ہیں، آخرکار اللہ نے انھیں دو شکستوں سے دوچار کیا)

حجاج کے اس خط کے جواب میں قطری نے جو خط لکھ کر روانہ کیا اس کے چند ابتدائی جملے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں:

"سلام على الهداة من الولاة الذين يَرعون حريمَ الله ويَرهبون نقمه، فالحمد لله على ما أظهر من دينه، وأظلع به أهلَ السفال وهَدى به من الضلال ونصر به عند استخفافك بحقه، كتبتَ إليِّ تذكر أني اعرابى جِلفٌ أميٌّ أستطعم الكسرة وأستشفى بالتمرة، ولَعمرى يا ابن ام الحجاج إنك لمُتيَّهٌ فى جبلتك مُطَلْخِمٌ فى طريقتك، واه فى وثيقتك، لا تعرف الله ولا تجزع من خطيئتك، يئستَ واستيأستَ من ربك فالشيطان قرينك"

(ترجمہ: سلامتی ہو ان والیوں پر جو دوسروں کو راہ دکھاتے ہیں، اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا لحاظ رکھتے ہیں، اور اس کے عقاب سے لوگوں کو ڈراتے ہیں، تمام تعریف اللہ کے لئے ہے اس دین حق کے لئے جسے اللہ نے ظاہر کر دیا، اور گھٹیا اور ذلیل قسم کے لوگوں کو خار کر دیا، جس کے ذریعہ اس نے گمراہی سے نجات دی اور اس کے ذریعہ سے اس وقت لوگوں کی مدد کی جب تم نے اس کے حقوق کو پامال کیا، تم نے مجھے خط لکھ کر یہ کہا کہ میں سخت مزاج بدو ہوں اور ان پڑھ ہوں، دوسروں کے ٹکڑوں اور نوالوں پر جیتا ہوں اور صرف کھجور سے علاج کرتا ہوں، تو سن لے اے اپنی ماں کی اولاد میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو تو فطری طور پر ایک گمراہ انسان ہے، تیرے ہر کام میں تیڑھ اور کجی پائی جاتی ہے، تو بالکل بھی بھروسے کے لائق نہیں ہے، نہ ہی تو اللہ کو ٹھیک سے جانتا ہے اور نہ ہی تو اپنی غلطی پر کبھی شرمندہ ہوتا ہے، تو خود سے بھی مایوس ہو چکا ہے اور اپنے رب سے بھی مایوس ہو چکا ہے، اور شیطان ہی تیرا اصل دوست ہے)

ان دونوں خطبوں میں ایک طرف تو ہمیں فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے، سجع وقافیہ اور طباق وجناس کی تزئین کاری کا غلبہ نظر آتا ہے بھاری بھرکم اور مؤثر الفاظ کی کثرت نظر آتی ہے تو وہیں دوسری طرف ان میں ہمیں بے انتہا بے باک اور جری لب ولہجہ نظر آتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کوئی خط یا کوئی مجموعہ الفاظ نہیں بلکہ تیروں اور تلواروں کی بوچھار ہو، جو دشمن کے دل ودماغ کو تار تار کر کے رکھ دے اور اس کے نفس کو چھلنی کر دے، یہ انداز تھا اس دور کی سیاسی خطوط نگاری کا، ان خطوط میں ایک بات جو مشترک نظر آتی ہے وہ ہے السلام علیکم سے ان کی شروعات، یہ اس دور کے اسلوب کی ایک خوبی تھی کہ خطوط کو اکثر سلام یا بسم اللہ سے شروع کیا جاتا تھا۔

3.3.1.2 شیعوں کی خطوط نگاری

شیعہ فرقہ کے خطوط کی ایک کثیر تعداد تاریخ وادب کے مختلف مراجع میں محفوظ ہے جس سے اس دور کی خطوط نگاری کے انداز اور بطور خاص اس پر چڑھے مذہبی رنگ کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ شیعوں کے درمیان خط وکتابت نے اس وقت زور پکڑ لیا جب اہل کوفہ نے حضرت حسین کو کوفہ کی طرف کوچ کرنے پر آمادہ کیا تاکہ وہ بنو امیہ کے خلاف جنگ میں باقاعدہ شریک ہو سکیں اور ان کو خلافت سے برطرف کر کے خلافت اس کے اصل حقداروں کو دی جا سکے، اس کے بعد حالات بہت تیزی سے بدلے یہاں تک کہ حضرت حسین کی شہادت کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا، اس کے بعد توابین کی تحریک چلی، جس میں اس کے رہنما سلیمان بن صرد نے حسرت وندامت کا لبادہ اوڑھ کر قاتلین حسین سے انتقام کا اعلان کیا، سلیمان اور اس کے ساتھیوں کے درمیان بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہوا، جس کے نمونے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کے عہد میں مختار الثقفی نے علم بغاوت بلند کیا اور کوفہ پر قبضہ کر لیا، مختار اور اس کی جماعت کے دوسرے سپہ سالاروں اور قائدین کے درمیان جن خطوط کا تبادلہ ہوا وہ بھی تاریخ وادب کے مراجع میں محفوظ ہیں، انھیں میں سے ایک خط وہ ہے جو مختار نے بنو تمیم کے قائد احنف بن قیس کے نام لکھا تھا:

" بسم الله الرحمن الرحيم، من المختار بن ابى عبيد الى الأحنف بن قيس، ومن قِبَلَهُ، فسلم أنتم، أما بعد فويلُ ام ربيعه من مضر، فإن الأحنف مُورِدُ قومه سَقر، حيث لا يستطيع لهم الصدر، وإنى لا أملك ما خُطَّ فى القدر، وقد بلغنى انكم تسموننى كذابا، وإن كُذِّبْتُ فقد كذبتْ رسلٌ من قبلى، ولست بخير من كثير منهم"

(ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مختار بن ابی عبید کی طرف سے الأحنف بن قیس اور اس کی جماعت کے نام، تم پر سلامتی ہو، اما بعد امضر سے تعلق رکھنے والے مضر قبیلے

مجھے حیرت ہوئی ہے، الأحنف اپنی قوم کو جہنم رسید کرنا چاہتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ ان کا دفاع بھی نہیں کرسکتا، تقدیر میں جو کچھ لکھا جاچکا ہے وہ میری ملکیت میں نہیں ہے، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم لوگ مجھے جھوٹا کہتے ہو، اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو مجھ سے پہلے بہت سے نبیوں نے بھی جھوٹ بولا ہے اور میں بہرحال ان سے بہتر نہیں ہوں)

اسی طرح سے امام طبری نے حضرت زبیر بن عوام اور عراق میں موجود ان کے والیوں کے درمیان ہونے والی خط وکتابت کے کئی نمونے پیش کئے ہیں۔

3.3.1.3 بنوامیہ کی خطوط نگاری

جہاں تک خود بنوامیہ کے خلفاء، امراء اور حکام اور والیوں کی بات ہے تو ان کے مابین خط وکتابت دیگر سیاسی جماعتوں کے بمقابل کہیں زیادہ تھی، اسی طرح بنوامیہ اور دیگر سیاسی جماعتوں کے درمیان بھی خط وکتابت بہت زور وشور کے ساتھ جاری رہی، خطوط کے ذریعہ خلیفہ عہد نامے لکھ کر مختلف علاقوں میں موجود اپنے والیوں کے نام روانہ کیا کرتے تھے، بلکہ خلفاء اور ان کے والیوں کے درمیان ہر چھوٹے بڑے معاملہ پر خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ قائم رہتا تھا، اس طرح سے قائدین جب بھی کوئی نیا مشن سر کرتے یا کوئی نیا علاقہ فتح کرتے تو فوراً خط لکھ کر خلیفہ کو یہ خوش خبری سناتے۔ اسی طرح جب بھی خلافت اسلامیہ کے کسی گوشے میں کوئی بغاوت سر اٹھاتی تو اس علاقے میں موجود خلیفہ کے والی فوراً خلیفہ کو اس سے باخبر کرتے اور مدد مانگتے مثال کے طور پر جب حجر بن عدی اور اس کے شیعہ ساتھیوں نے علم بغاوت بلند کیا تو زیاد بن ابیہ نے فوراً حضرت معاویہ کو اس کی اطلاع دی اور خلیفہ نے اس کا جواب دیا، ایسے ہی یزید بن معاویہ اور حجاز میں تعینات اس کے والیوں کے درمیان عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی کے خلاف جنگی مہم کے سلسلے میں خط وکتابت ہوئی۔ اسی طرح جب حضرت حسین کوفہ پہنچے اور بعد میں جو واقعات پیش آئے اس سلسلے میں خلیفہ یزید بن معاویہ، اور عبیداللہ بن زیاد کے درمیان خوب خط وکتابت ہوئی، یہ سارے خطوط تاریخ طبری اور دیگر مراجع میں موجود ہیں۔

اس دور میں سیاسی خط وکتابت کا جو سلسلہ پہلے اموی خلیفہ معاویہ کے ذریعہ شروع ہوا وہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں اپنے شباب پر پہنچ گیا، بطور خاص عبدالملک اور اس کے گورنر حجاج بن یوسف کے درمیان بکثرت خط وکتابت ہوئی، حجاج بن یوسف جہاں ایک طرف ایک بہترین شعلہ بیان خطیب تھا تو وہیں خطوط نویسی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا، عراق اور خراسان میں جو بغاوتیں ظاہر ہوئیں انہیں کچلنے کی ذمہ داری حجاج کو ہی سونپی گئی تھی، چنانچہ میدان جنگ کی ہر خبر حجاج خلیفہ کو خط کے ذریعہ بھیجا کرتا تھا، ساتھ ہی خود اپنے قائدین اور سپہ سالاروں کے ساتھ اس کی خط وکتابت بہت کثرت سے ہوا کرتی تھی، حجاج کا مزاج اور لب ولہجہ اس قدر سخت تھا کہ وہ خود بنوامیہ کی سربرآوردہ شخصیات تک کو بھی نہیں بخشتا تھا، چنانچہ ایک بار اس نے ولی عہد سلیمان بن عبدالملک کو جس سے اس کی کچھ ان بن ہوگئی تھی، یہ خط لکھ کر بھیجا: " إنما أنت نقطة من مِداد، فإن رأيتَ فِيَّ ما رأى ابوك واخوك كنتُ لك كما كنتُ لهما وإلا فأنا الحجاج وأنت النقطة ، فإن شئتُ محوتك وإن شئتُ اثبتك"

(ترجمہ: تمہاری حیثیت روشنائی کے ایک نقطہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں، اگر میرے بارے میں تمہاری رائے وہی رہی جو تمہارے باپ اور بھائی کی تھی تو میں میری رائے بھی تمہارے تئیں ایسے ہی رہے گی جیسی ان کے لئے تھی، ورنہ یاد رکھنا کہ میں حجاج ہوں اور تم روشنائی کا ایک نقطہ، اگر میں چاہوں تو تمہیں مٹا دوں اور اگر چاہوں تو تمہیں باقی رکھوں)

یقیناً حجاج کا یہ انداز اور یہ سخت لب ولہجہ اس کی تقریروں کی یاد دلا دیتا ہے، جن میں وہ کسی شیر کی طرح دھاڑتا اور گرجتا ہوا نظر آتا ہے، حجاج کے یہ خطوط اس دور کی خطوط نویسی کے بہترین نمونے شمار کیے جاتے ہیں، فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے حجاج کے خطوط کو بہت ہی بلند مقام حاصل ہے۔

3.3.2 واعظانہ خطوط نویسی

پہلی صدی ہجری کے آخر میں سیاسی خطوط کے ساتھ ساتھ واعظانہ اور ناصحانہ خطوط کا بھی چلن ہونے لگا، اس سلسلے میں متقی وپرہیزگار خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ خلفاء بنوامیہ میں انہیں کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ خود بھی اپنے ماتحتوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے اور اس بات کو بہت پسند بھی کرتے تھے کہ اہل علم اور اہل تقویٰ ان کو وعظ ونصیحت کرتے رہیں، ان کے برعکس دیگر اموی خلفاء اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی ان کی طرف انگلی اٹھائے، یا انہیں وعظ و نصیحت کرے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کے ایک متقی وپرہیزگار واعظ اور ناصح امام حسن بصری کا نام تاریخ کی کتابوں میں بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی ان کے ورع وتقویٰ سے اس قدر متاثر تھے کہ ان سے وعظ ونصیحت کرنے کی درخواست کرتے تھے، چنانچہ حسن بصری نے ان کے خط کا جواب لکھا جو

بہت سی قیمتی نصیحتوں پر مشتمل ہے، اس خط میں امام حسن بصری نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک حاکم کے اوپر رعایا کے کیا حقوق ہوتے ہیں، اور اس کے اوپر اس کے دین کے کیا حقوق ہوتے ہیں، یہاں اس طویل خط کی ایک جھلک پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

” اعلم یا امیر المؤمنین ان الله جعل الإمام العادل قِوام کل مائلة وقصدَ کل جائر، وصِلاح کل فاسد وقوة کل ضعیف ونصفة کل مظلوم ومفزع کل ملهوف، والإمام العادل یا امیر المؤمنین کالراعی الشفیق علی إبله الرفیق بها الذی یرتاد لها أطیبَ المراعی ویزودها عن مراتع الهلکة، ویحمیها من السباع، ویکفیها من أذی الحَر والقُرِّ، والإمام العادل یا أمیر المؤمنین کالأب الحانی علی ولده، یسعی لهم صغارا ویعلمهم کبارا، یکتسب لهم فی حیاته ویدَّخر لهم بعد مماته، والإمام العادل یا أمیر المؤمنین کالأم الشفیقة البَرَّة بولدها، حملته کرها ووضعته کرها، ورَبَّتْه طفلا، وتسهر بسهره وتسکن بسکونه ترضعه تارة وتفطمه أخری وتفرح بعافیته وتَغْتَمُّ بشکایته“

(ترجمہ: اے امیر المؤمنین آپ جان لیجئے کہ اللہ نے عادل امام اور خلیفہ کو کج روی کو سیدھا کرنے کے لئے، ظالم کو صحیح راہ دکھانے کے لئے، بدکار کی اصلاح کے لئے، مجبور کو تقویت بخشنے کے لئے، مظلوم کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے، اور لاچار کو پناہ دینے کے لئے مقرر کیا ہے، اے امیر المؤمنین عادل امام ایک ایسے چرواہے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے اونٹوں کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آتا ہے، اور ان کے لئے بہترین چراہ گاہ تلاش کرتا ہے اور انھیں ہر طرح کی ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے، خونخوار جانوروں سے ان کی حفاظت کرتا ہے، ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سے انھیں بچا کر رکھتا ہے، اے امیر المؤمنین عادل امام ایک ایسے باپ کی طرح ہوتا ہے جو اپنے بچوں سے محبت سے پیش آتا ہے، بچپن میں ان کے لئے ہر مشقت اٹھاتا ہے، اور جب بڑے ہو جاتے ہیں تو انھیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتا ہے، اپنی زندگی میں ان کے لئے کماتا ہے اور اتنا مال ان کے لئے جمع کرتا ہے کہ اس کے بعد ان کے کام آسکے، اے امیر المؤمنین عادل امام ایک ایسی ماں کی طرح ہوتا ہے جو اپنے بچوں سے ہمیشہ شفقت و محبت سے پیش آتی ہے، اس کی خاطر حمل کی صعوبتوں کو برداشت کرتی ہے، اور ایسے ہی اسے جنم دینے کی تکلیف اٹھاتی ہے، اور بچپن میں اس کا پورا خیال رکھتی ہے، جب بچہ جاگتا ہے تو وہ بھی جاگتی ہے، اور جب بچہ سکون سے رہتا ہے تو وہ بھی سکون سے رہتی ہے، کبھی اسے دودھ پلاتی ہے تو کبھی اس کا دودھ چھڑاتی ہے، اس کی صحت و عافیت پر خوش ہوتی ہے اور جب اسے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ بھی غمزدہ اور پریشان ہو جاتی ہے)

اسی طرح حسن بصری اپنے اس خط میں خوف خدا اور تقویٰ و پرہیزگاری کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس خط میں آپ کا اسلوب آپ کی خطابت کے اسلوب سے کافی مشابہ نظر آتا ہے، آپ کے خطبوں کی طرح آپ کے اس خط میں بھی سجع و قافیہ کا پورا اہتمام نظر آتا ہے، اور جناس و طباق جیسی بلاغت کی خوبیاں بکثرت استعمال ہوئی ہیں، حالانکہ آپ کے اس خط میں اور حجاج اور زیاد وغیرہ کے خطوط میں اسلوب کا بنیادی فرق یہ نظر آتا ہے کہ ان دونوں کے اسلوب میں الفاظ بے انتہا ثقیل، وزنی، اور نادر قسم کے استعمال ہوئے ہیں جب کہ حسن بصری کے اسلوب میں سہل اور آسان قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ حسن بصری کا مقصد اصلاحِ قوم تھا جب کہ حجاج اور زیاد کے خطوط کا اصل مقصد اپنا رعب اور اپنی ہیبت اپنے مخالفین کے دلوں میں پیدا کرنا تھا۔

3.3.3 ذاتی خطوط

اس دور میں خطوط نویسی کی ان دو قسموں کے علاوہ ایک قسم اور تھی جس کے بہت سے نمونے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ تھی ذاتی خطوط کی قسم، چونکہ اب خلافت اسلامیہ کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اور مسلمان دور دراز کے علاقوں تک پھیل گئے تھے، اس لئے سماجی و معاشی ضروریات کے تحت ذاتی خط و کتابت کا بھی اسی دور میں کافی چلن ہوا، بہت سے ایسے حالات و واقعات لوگوں کی زندگی میں پیش آتے تھے کہ وہ اپنے اہل و عیال یا احباب وغیرہ کو خطوط کے ذریعہ اپنا پیغام بھیجا کرتے تھے مثلاً کسی قریبی شخص کی موت پر تعزیت کرنا ہو یا کسی کی عہدہ نشینی پر مبارک باد پیش کرنا ہو، یا کسی رشتہ دار یا دوست کے لئے کوئی سفارش کرنا ہو، یا کسی سے کوئی گلہ شکوہ ہو اور اس کا اظہار کرنا ہو، اس طرح کے مواقع پر لوگ ایک دوسرے کو خط لکھا کرتے تھے، اور اپنے احساسات و جذبات یا اپنی ضرورت کا اظہار کیا کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ خطوط شخصی نوعیت کے ہوتے تھے اس لئے ان کی حفاظت بھی شخصی سطح پر ہوتی تھی نہ کہ سرکاری سطح پر اس لئے اس نوعیت کے بیش تر خطوط ضائع ہو گئے، اور بہت ہی قلیل تعداد میں باقی بچ سکے، اس نوعیت کے جو خطوط محفوظ رہے ان میں سے ایک خط وہ ہے جو عقال بن شبہ نے خالد القسری کے نام بھیجا تھا اور اس میں اپنے ایک شخص کو کسی منصب پر فائز کرنے کی سفارش کی گئی ہے، اس کی کچھ سطریں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

”وقد وجهت إليك فلانا وهو من ذوي قرابتي، وذوي الهيئة من أسرتي، عرف معروفك وأحببت أن تلبسه نعمتك“

(ترجمہ: میں نے تمہارے پاس فلاں شخص کو بھیجا ہے، جو میرے بہت ہی خاص قریبی لوگوں میں سے ہے، اور میرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، وہ تمہاری نیک نامی سے خوب واقف ہے، میری خواہش ہے تم اسے کسی نعمت سے نواز دو)

اس خط میں عبارتیں مسجع ومقفی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شخصی خطوط میں بھی اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔

3.3.4 دیوان الرسائل

اسلامی تاریخ میں مختلف قسم کے دواوین یعنی سرکاری شعبوں کی بنیاد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے رکھی تھی، یہ نظام ایران کے قدیم بادشاہوں کے یہاں پہلے سے موجود تھا، مال فئی اور مالِ غنیمت، اور زکوۃ وخیرات کا حساب کتاب رکھنے کی غرض سے حضرت عمرؓ نے دو دیوان قائم کئے تھے ایک دیوان الخراج کے نام سے اور دوسرا دیوان الجند کے نام سے، اس کے بعد امیر معاویہ نے اس میں توسیع کی اور دیوان الرسائل اور دیوان الخاتم کے نام سے دو نئے دیوان قائم کئے، دیوان الرسائل میں سرکاری خطوط تیار کئے جاتے تھے جب کہ دیوان الخاتم میں ان کو سیل کیا جاتا تھا۔ کچھ دواوین میں کاغذی کاروائی علاقائی زبانوں میں ہوا کرتی تھی جیسے دیوان الخراج کا کام شام اور مصر میں رومی اور قبطی زبان میں اور عراق وغیرہ میں فارسی میں ہوا کرتا تھا، یہاں تک کہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے سبھی سرکاری کام کاج کے لئے عربی زبان کو لازمی قرار دے دیا، ان علاقوں میں عجمیوں نے بھی عربی زبان میں مہارت حاصل کی اور ان دواوین میں عربوں کے شانہ بہ شانہ کام کرتے رہے، اگرچہ ان سبھی دواوین میں معاملات کو عربی زبان میں تحریر کر کے کاغذی کاروائی ہوا کرتی تھی لیکن ادبی نقطۂ نظر سے دیوان الرسائل کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اسی دیوان یا شعبہ میں خلفاء اور امراء کے پیغام اور فرمان تحریر کئے جاتے تھے، اور ان میں کام کرنے کے لئے فصاحت وبلاغت کو ہی اصل معیار سمجھا جاتا تھا۔ اس سے منسلک انشاء پرداز اچھے قلم کار اور ادباء ہوا کرتے تھے، اس طرح انشاء پردازوں کی ایک خاص جماعت وجود میں آئی جو اس فن میں اپنے جوہر دکھاتی رہی، خلیفہ کے علاوہ مختلف علاقوں کے امراء اور حکام بھی اپنے یہاں ایسے انشاء پردازوں کو متعین کیا کرتے تھے۔

امیر معاویہ کے عہد کے انشاء پردازوں میں عمرو بن سعید بن العاص کا نام لیا جاتا ہے جو اپنی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے الأشدق کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ ایک اچھا خطیب بھی تھا، اسی دور کا ایک اور انشاء پرداز تھا عبیداللہ بن اوس الغسانی جو امیر معاویہ اور یزید کے دور میں دیوان الرسائل کا سرپرست تھا، شروع میں دواوین کے خطوط اور تحریروں میں ایجاز واختصار کا غلبہ ہوتا تھا، بعد میں اس میں شرح وبسط پیدا ہونے لگا، عبدالملک بن مروان کے عہد کے مشہور انشاء پردازوں میں سلیمان بن سعد الخشنی کا نام لیا جاتا ہے، شام وعراق کے دواوین کو رومی سے عربی زبان میں منتقل کرنے کا سہرا بھی اسی کو جاتا ہے، عراق کے دواوین میں بھی اچھے انشاء پرداز موجود تھے جن میں عبدالرحمٰن بن الأشعث کے دیوان سے منسلک ابن القریہ کا نام مختلف مصادر میں موجود ہے، ابن الأشعث نے اس سے ایک خط لکھوایا تھا اور اسے مسجع ومقفی عبارت میں لکھنے کی درخواست کی تھی، اور ابن القریہ نے اس کا یہ حکم بخوبی پورا کیا تھا۔

حجاج بن یوسف کے دواوین میں بھی کئی اچھے قلم کار موجود تھے انہیں میں سے ایک صالح بن عبدالرحمٰن بھی تھا، جس کے ذمہ عراق کے دواوین کو فارسی سے عربی منتقل کرنا تھا۔ عراق کے زیادہ تر انشاء پرداز صالح کے ہی شاگرد تھے۔

یہ قلم کار اور انشاء پرداز اکثر بڑے حجم کے کاغذ کو اپنی تحریروں کے لئے استعمال کیا کرتے تھے، ہشام بن عبدالملک کا دور (۱۰۵-۱۲۴ھ) آتے آتے دواوین کی انشاء پردازی نے ایک خاص فنی انداز اختیار کر لیا تھا اور باقاعدہ ایک جماعت انشاپردازوں اور قلم کاروں کی تیار ہو چکی تھی اسی دور کے اہم قلم کاروں میں سالم مولی ہشام کا نام بھی لیا جاتا تھا۔

سالم کے دو شاگرد اس فن کے حوالے سے خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور بہت مشہور ہوئے، ایک ان کے صاحبزادے عبداللہ اور دوسرے ان کے ایک رشتہ دار عبدالحمید الکاتب، ان میں عبدالحمید الکاتب کو فن انشاء پردازی میں خاص شہرت حاصل ہوئی۔

سالم خود ایک اچھے قلم کار تھے، وہ یونانی زبان میں بھی ماہر تھے، اور بعض یونانی کتابوں کو انہوں نے عربی میں منتقل بھی کیا تھا، جہاں تک عبدالحمید الکاتب کی بات ہے تو وہ فارسی الأصل تھے، جبکہ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا تعلق عراق کے علاوہ انبار سے تھا۔ اموی خلیفہ مروان بن حکم کے عہد میں عبدالحمید کو دیوان الرسائل کا رئیس یا سرپرست بنا دیا گیا، اور بہترین تحریری نمونے ان کے نوک قلم سے وجود میں آئے۔

عبدالحمید اس عہد کے سب سے بڑے انشاء پرداز کے طور پر جانے جاتے ہیں، بلکہ آپ کو فن انشاء پردازی کا امام بھی مانا جاتا ہے، جاحظ نے ان کی بہت تعریف لکھی ہے اور قلم کاروں کو نصیحت بھی کی ہے کہ وہ ان کے طرز نگارش کو اپنائیں، ان کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ (خطوط نویسی کا فن عبدالحمید سے شروع ہوا اور ابن العمید پر ختم

ہوا) بعد کے ادوار میں بھی عبدالحمید الکاتب کو ایک مثالی انشاء پرداز کے طور پر دیکھا گیا اور لوگوں نے ان کے اسلوب کو اختیار کیا، کہا جاتا ہے کہ اپنی تحریروں کو تحمید و تمجید سے شروع کرنے کا طریقہ بھی عبدالحمید نے ہی ایجاد کیا تھا، عبدالحمید کے خطوط اور دیگر تحریروں کو خاص ادبی مقام حاصل ہے، ان کے بہترین خطوط میں سے وہ عام خط بھی ہے جو انہوں نے اپنے زمانے کے قلم کاروں کے نام لکھا تھا اور جس میں انہوں نے فن انشاء پردازی کے حوالے سے گفتگو کی ہے، جن آداب سے انہیں مزین ہونا چاہئے ان کو ذکر کیا ہے، اور مختلف علوم وفنون سے آگہی اور واقفیت کو ضروری قرار دیا ہے، اس کے علاوہ ان کے بہت سے خطوط ہیں جو ادبی اہمیت کے حامل ہیں اور انہیں بہت شہرت نصیب ہوئی، ان کے کچھ خطوط سیاسی نوعیت کے بھی ہیں مثال کے طور پر ان کا وہ طویل خط جو انہوں نے مروان کی طرف سے اس کے بیٹے عبداللہ کے نام لکھا تھا، یہ ایک نہایت طویل خط تھا، اس خط کا اصل محور بھی جنگ اور قیادت سے متعلق آداب واخلاق ہیں، یہ خط ایک پورے سیاسی دستور کی مانند ہے، جس میں عبدالحمید قدیم فارسی ادب کی تحریروں سے متاثر نظر آتے ہیں، البتہ اس میں اسلامی تعلیمات کا اثر بھی صاف نظر آتا ہے، اور یہ سب عبدالحمید نے اپنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے، عبدالحمید کے مشہور خطوط میں سے ایک خط وہ ہے جس میں انہوں نے شکار کا قصہ نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔

اس دور سے قبل جو سرکاری رسائل دیوان الرسائل سے صادر ہوتے تھے ان میں خلیفہ یا امیر یا والی انشاء پردازوں کو اپنا خط یا پیغام املا کروا دیتے تھے، لیکن اس دور میں ایک بڑی تبدیلی یہ آئی کہ یہ کاتبین از خود خلیفہ کی طرف سے اس کا خط یا پیغام لکھ لیا کرتے تھے، پھر خلیفہ کے پاس لے جاتے اور اسے پڑھ کر سناتے، اور جو بھی تبدیلی وغیرہ کرنا ہوتی وہ کی جاتی تھی۔

3.4 عصر اموی میں توصیات یا ادب الوصایا

ادب الوصایا کا شمار قدیم عربی نثر کے اہم ادبی فنوں میں کیا جاتا ہے، اس فن کے ذریعہ اس دور کے عربی معاشرہ کی عقلی، فکری وادبی معیار کی جھلکیاں ہم تک پہنچی ہیں، اسی طرح اس فن کے جو نمونے ہم تک پہنچے ہیں ان کے ذریعہ اس دور کے سیاسی، سماجی اور دینی حالات کو سمجھنے میں ہمیں مدد ملتی ہے۔

جاہلی دور میں بھی ادب الوصایا کا وجود تھا اور مختلف مواقع پر وصیتوں کے ذریعہ اپنی بات رکھنے کا پتہ ملتا ہے، تاہم اس دور کی وصیتوں کی بہت ہی قلیل تعداد ہم تک پہنچ سکی ہے، اور اس دور کے دیگر نثری فنون کی مانند اس دور کی زیادہ تر وصیتیں بھی غیر مدون ہونے کی وجہ سے تاریخ کی دھند میں کہیں غائب ہوگئی ہیں، جاہلی دور کے ادبی فنون میں شاعری کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ وہ چونکہ اپنے اوزان کی وجہ سے سهل الحفظ ہوتی ہے، اس لئے اس کی ایک بڑی مقدار شروع دور سے ہی محفوظ رہی اور رفتہ رفتہ صفحۂ قرطاس پر اپنی جگہ بنا کر ہمیشہ کے لئے زندہ وجاوید ہوگئی، جب کہ ادب الوصایا اور اس دور کے دوسرے نثری فنون اس امتیازی خوبی سے محروم رہے۔

عصر رسول اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی وصیت کرنے کا سلسلہ جاری رہا، اور اس دور کے چند ایک نمونے ہم تک پہنچے ہیں، اس دور میں اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی وجہ سے وصیتوں کا اپنا ایک الگ رنگ تھا، اس کے بعد اموی دور آتا ہے، جس میں ادب الوصایا کی اپنی خوبیاں اور خصوصیات تھیں، ادب الوصایا سے متعلق ان سب پہلوؤں کا ذکر اس موضوع کے تحت کیا جائے گا، سب سے پہلے جاہلی دور اور ابتدائی اسلامی دور جسے صدر الاسلام کہا جاتا ہے یعنی عصر رسول اور خلافت راشدہ کے دور میں ادب الوصایا کی نشو ونما پر مختصر روشنی ڈالی جائے گی، اس کے بعد عصر اموی میں ادب الوصایا کا ارتقا کیسے ہوا اس پر تفصیل سے گفتگو ہوگی، اور اس عہد کی وصیتوں کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

تاریخ ادب کا شاید ہی کوئی ایسا دور رہا ہو جس میں ادب الوصایا کی جھلکیاں ہمیں نہ ملتی ہوں، کہیں باپ اپنے بچوں کو وصیت کرتے ہوئے نظر آتا ہے، تو کہیں سردار اپنے ماتحتوں کو اور کہیں حاکم اپنے محکوم کو اور کہیں بڑے اپنے چھوٹوں کو وصیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کہیں تو یہ وصیتیں سیاسی نوعیت کی ہوتی ہیں اور کہیں سماجی اور دینی نوعیت کی ہوتی ہیں۔

اور ہر وصیت میں ہمیں سچے احساسات وجذبات نظر آتے ہیں، اس کی بنیاد صدق واخلاص پر ہوتی ہے، اس کا منبع ومصدر خیر خواہی اور ہمدردی ہوتا ہے، ادب الوصایا کی یہ ایک اہم خوبی ہے اور یہ خوبی ہمیں ہر دور کی وصیتوں میں صاف نظر آتی ہے، اور بطور خاص جاہلی دور کی وصیتوں میں ہمیں یہ خوبی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

3.4.1 عصر جاہلی میں ادب الوصایا

جاہلی دور میں عمومی طور پر پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا، اگرچہ وہ اپنے عمدہ قصائد کو لکھ لیا کرتے تھے اور اس ضمن میں بعض نثری عبارتوں کی تدوین کے بھی ثبوت ملتے

ہیں لیکن ان کے علمی وادبی سرمائے کا دارومدار ان کے قوت حافظہ پر تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں کچھ ایسا حیرت انگیز قوت حافظہ عطا کیا تھا کہ انہوں نے لکھنے پڑھنے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اور چونکہ نثر کے مقابلہ میں اشعار کو حفظ کرنا نسبتاً سہل اور آسان ہوتا ہے اس لئے اس دور کے زیادہ تر قصائد اور شعری کلام انہیں ازبر یاد تھا، اور نسل در نسل وہ اسے اپنی قوت حافظہ کے ذریعہ محفوظ کئے ہوئے تھے، مزید برآں نثر کے برخلاف شاعر کے پاس اپنا راوی بھی ہوا کرتا تھا، جو اس شاعر کے اشعار کو یاد کرنے اور انہیں روایت کرنے پر مامور ہوتا تھا، انہیں اسباب کی بنا پر جب تدوین وتالیف کا دور آیا یعنی دوسری صدی ہجری کا دور تو فوراً اشعار کی تدوین عمل میں آگئی اور اس دور کا زیادہ تر شعری سرمایہ قلم وقرطاس کے سپرد کردیا گیا، جب کہ نثر کا زیادہ تر حصہ اس وقت تک آفت نسیان کی نذر ہو چکا تھا۔

جاہلی دور کے نثری وشعری فنون کا جو مستند سرمایہ ہم تک پہنچا ہے وہ ظہور اسلام سے تقریباً دوسو سال قبل تک کا ہے، حالانکہ اس سے پہلے کے بھی بہت سے کتبات اور نقوش وغیرہ مختلف مقامات پر برآمد ہوئے ہیں، لیکن ان سے اس دور کی ادبی سرگرمیوں سے متعلق کوئی خاص معلومات فراہم نہیں ہو پاتی. ادب الوصایا کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے. مختلف کتابوں میں ظہور اسلام سے ہزاروں سال قبل کے عرب بادشاہوں وغیرہ کی وصیتیں نقل کی گئی ہیں، مثال کے طور پر یحییٰ بن الوشا کی کتاب ''وصایا ملوک العرب فی الجاہلیۃ'' میں ان قدیم عرب بادشاہوں اور شخصیتوں کی وصیتیں بھی نقل کی گئی ہیں جن کی طرف نسبت کا کوئی پختہ ثبوت دستیاب نہیں ہے، اس کتاب میں جہاں حضرت ہود علیہ السلام کی وصیت بیان کی گئی ہے وہیں عربوں کے قدیم اجداد میں قحطان، یعرب، عبد شمس، سبأ، حمیر، کہلان، أیمن، زہیر، القوت وغیرہ کی وصیتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے، حالانکہ ان کی نسبت کے بارے میں کوئی پختہ ثبوت موجود نہیں ہے ان میں سے زیادہ تر وصیتیں من گھڑت ہیں، انہیں میں سے ایک وصیت سیف بن ذی یزن کی ہے جس میں اس نے رسول اکرم کے جدامجد عبدالمطلب کو اللہ کے رسول کے بارے میں بشارت دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ کے ماں اور باپ کا انتقال ہوجائے گا اور آپ کی کفالت آپ کے دادا اور چچا کریں گے۔

ایک اور کتاب اس ضمن میں قابل ذکر ہے جو الوصایا الخالدہ کے نام سے موسوم ہے، اور عبدالبدیع صقر نے اسے تصنیف کیا ہے، اس میں بھی جاہلی واسلامی دور کی وصیتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

ابوحاتم السجستانی نے بھی اپنی کتاب ''کتاب المعمرین و کتاب الوصایا'' میں اس عہد کی وصیتوں کو ذکر کیا ہے، یہ کتاب ''المعمرون والوصایا'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

عصر جاہلی کی طرف منسوب ادبی اہمیت کی وصیتوں میں سے ایک وصیت وہ ہے جسے شہاب الدین محمد بن احمد الأبشیہی نے اپنی کتاب المستظرف میں ذکر کیا ہے جس میں امامہ بنت الحارث نے اپنی بیٹی کی سہاگ رات سے پہلے اسے وصیت کی تھی، اس وصیت کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی وصیتوں کا اسلوب مسجع ومقفی ہوا کرتا تھا، اور طباق وجناس کا اہتمام کیا جاتا تھا، اس وصیت میں امامہ نے اپنی بیٹی کو اپنے شوہر کے تئیں جو رویہ اختیار کرنا چاہئے اس کی تلقین کی ہے اور گیارہ باتیں اس کو بتائی ہیں، یہ وصیت ایک نہایت جامع وصیت ہے جس سے فکری اور عقلی پختگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے، اور خوش اسلوبی وخوش کلامی کا بھی پتہ چلتا ہے، یقیناً یہ اس دور کی ایک بہترین وصیت شمار کئے جانے کی مستحق ہے۔

اس دور کی طرف منسوب مشہور وصیتوں میں ایک وصیت حیرۃ کے حاکم النعمان بن المنذر کی وصیت ہے جو انہوں نے عرب رہنماؤں کی ایک جماعت کو کسریٰ کے دربار کی طرف روانہ کرنے سے قبل کی تھی، یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور ادبی اہمیت کا حامل ہے، اکثم بن صیفی، حاجب بن زرارہ اور عمرو بن معدیکرب جیسے قادر الکلام اور شعلہ بیان عرب خطباء اس جماعت کے حصہ تھے، چنانچہ نعمان نے روانگی سے قبل ان کو وصیت کی تھی جو العقد الفرید جیسے تاریخ اور ادب کے اہم مراجع میں محفوظ ہے۔

نعمان کی وصیت دراصل سیاسی نوعیت کی تھی، اپنی اس وصیت میں نعمان نے اپنے نمائندوں کو یہ بتایا تھا کہ انھیں کسریٰ کے سامنے کس طرح حاضر ہونا ہے، اور کس طرح اپنی بات پیش کرنا ہے، نعمان کی وصیت بھی اس سے قبل مذکور امامہ کی وصیت کی طرح مختصر اور فصیح وبلیغ ہے، البتہ اس میں وہ سجع وقوافی نظر نہیں آتے جو امامہ کی وصیت میں ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں، شاید اس لئے کہ نعمان کی وصیت سیاسی نوعیت کی وصیت تھی، جب کہ امامہ کی وصیت ایک شخصی وصیت تھی جس کو امامہ نے اپنے علمی وادبی ذوق کے ذریعہ نہایت ادبی وفنی پیرائے میں ڈھال کر پیش کیا تھا، بہرحال اس عہد کے ادب الوصایا کی جو مثالیں بھی ہم تک پہنچتی ہیں وہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ ادبی معیار کی ہیں، جن کے مطالعہ سے اس دور کے سماجی سیاسی اور ادبی رجحانات ومیلانات اور معیار کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

3.4.2 عصر رسول اور خلافت راشدہ میں ادب الوصایا

تاریخ وادب کی کتابوں میں عصر رسول اور خلافت راشدہ کو صدر الاسلام کے نام سے جانا جاتا ہے، اس دور میں عربی ادب میں سب سے بنیادی تبدیلی جو واقع ہوئی وہ قرآن کریم کے نزول اور احادیث رسول کے اضافہ کی شکل میں تھی، قرآن کریم کلام اللہ ہے اور احادیث رسول جوامع الکلم، لہٰذا ان دونوں کے عربی زبان وادب پر بہت ہی گہرے اثرات مرتب ہوئے، دیگر نثری فنون کی طرح ادب الوصایا بھی ان دونوں سے کافی متاثر ہوا، چنانچہ ان دونوں مراجع میں موجود ادب الوصایا کے وجود پر مختصراً گفتگو کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں شروع سے آخر تک جگہ جگہ وصیتوں کی شکل میں پند ونصائح پیش کیے گئے ہیں، بار بار ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کی تلقین کی گئی ہے، اعمال حسنہ کو اپنانے کی بات کہی گئی ہے، اور اعمال سیئہ سے روکا گیا ہے، والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق وغیرہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، گویا قرآن کریم میں اس طرح کی وصیتیں جا بجا وارد ہوئی ہیں، کچھ قرآنی وصیتیں تو ایسی ہیں جنھیں خود رب کائنات نے بلا واسطہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے یعنی رب کائنات خود اپنی زبانی انسان کو وصیت کرتا ہوا نظر آتا ہے جیسے سورۃ النساء کی یہ آیت کریمہ ''وَاعۡبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشۡرِكُواْ بِهِ شَيۡئاً وَبِالۡوَالِدَيۡنِ إِحۡسَاناً وَبِذِي الۡقُرۡبَى وَالۡيَتَامَى وَالۡمَسَاكِينِ وَالۡجَارِ ذِي الۡقُرۡبَى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابۡنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتۡ أَيۡمَانُكُمۡ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخۡتَالاً فَخُوراً'' .

(ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے)

اس آیت میں ایک بہترین سماج اور معاشرہ کی تعمیر کے لئے جس طرح حقوق کی پاسداری ضروری ہے اس کو اس وصیت کی شکل میں رب کائنات نے بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں وارد وصیتوں کی دوسری شکل وہ ہے جن میں کوئی نبی یا کوئی متقی انسان اپنے کسی ماتحت کو وصیت کرتا ہے اور اس کی بہترین مثال وہ وصیت ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھی اور جس کو سورۃ لقمان کی ان آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے ''وَإِذۡ قَالَ لُقۡمَانُ لِابۡنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٌ۔ وَوَصَّيۡنَا الۡإِنسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حَمَلَتۡهُ أُمُّهُ وَهۡناً عَلَى وَهۡنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيۡنِ أَنِ اشۡكُرۡ لِي وَلِوَالِدَيۡكَ إِلَيَّ الۡمَصِيرُ۔ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَن تُشۡرِكَ بِي مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِي الدُّنۡيَا مَعۡرُوفاً وَاتَّبِعۡ سَبِيلَ مَنۡ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ (سورۂ لقمان ۱۳۔۱۵)

(ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بیشک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے، اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے، (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، تو ہم نے اس کو اس کے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی کہ میرا بھی شکر کرتے رہنا اور اپنے والدین کا بھی کہ تم کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا کے کاموں میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اس کے راستے پر چلنا، پھر تم کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، تو جو کام بھی تم کرتے رہے میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا)

جہاں تک احادیث رسول کا تعلق ہے تو ان میں بھی اس طرح کی وصیتیں اور نصیحتیں رسول اکرم اور صحابہ کرام کی زبانی کثرت سے وارد ہوئی ہیں، مختلف احادیث میں اللہ کے رسول نے ایک ہادی ورہنما اور ایک سردار کی حیثیت سے اپنے ماتحتوں یعنی صحابہ کرام کو مختلف مواقع پر وصیتیں کیں جن کے ذریعہ آپ نے انھیں جینے کا طریقہ بھی سکھایا اور بلند اخلاق سے آشنا بھی کرایا۔ مثال کے طور پر بخاری شریک کی ایک حدیث میں آپ صلی نے اپنے صحابہ کو یہ وصیت کی:" ایاکم والظنَّ فان الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا"

(ترجمہ: بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی بات ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، مال کی قیمت بڑھا کر ایک دوسرے کو دھوکہ مت دو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے کے خلاف چالیں نہ چلو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو)

اس وصیت میں آپؐ نے ایک نیک اور صالح معاشرہ کی بنیادی شرائط بیان کی ہیں کہ جن کے بغیر ایک مثالی معاشرے کی تعمیر ناممکن ہے، ایسے ہی ایک اور حدیث میں آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اس طرح سے وصیت کی" یا غلام انی اعلمك كلمات، احفظِ الله يحفظْك، احفظ الله تجده تُجاهَك، إذا سألتَ فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك لم ينفعوك إلا بشيئ قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على ان يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك، رُفِعَت الأقلام وجَفَّت الصحف" (صحیح الترمذی)

(ترجمہ: اے لڑکے میں تمہیں کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں، اللہ کے حقوق واحکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا، اور تم اسے اپنی مدد کے لئے حاضر پاؤ گے، جب بھی کچھ مانگنا ہو تو صرف اللہ سے مانگنا، جب بھی مدد طلب کرنا ہو تو صرف اللہ سے کرنا، اور جان لو کہ اگر پوری امت تمہیں فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائے تو تمہیں صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے، ایسے ہی اگر پوری امت تمہیں نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائے تو صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں (یعنی ہر شخص کی تقدیر لکھی جا چکی ہے)۔

اسی طرح خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام سے بھی وصیتیں نقل کی گئی ہیں، کہیں تو ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کو اپنی موت سے پہلے وصیت کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اسے خوفِ خدا اور اعمال صالحہ پر تاکید کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کی وصیت جو انہوں نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کو خلیفہ متعین کرنے کے بعد کی تھی، جس میں آپ نے انھیں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی کے کچھ بنیادی اصول بتائے اور کہا کہ اس کی بنیاد تقویٰ ہے، تو کہیں کوئی خلیفہ اپنے سپہ سالاروں اور کمانڈروں کو میدان جنگ کی طرف روانہ کرنے سے پہلے وصیت کرتا ہوا نظر آتا ہے جیسے حضرت عمر نے ایک موقع پر اپنے ایک لشکر کو صبر وتحمل اور حسن اخلاق کی تلقین کی تھی۔ حضرت عثمان کے حوالے سے بھی بہت سی روایات تاریخ طبری وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں جن میں وہ اپنے والیوں، گورنروں اور سپہ سالاروں کو وصیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جب کہ حضرت علی کی طرف کثیر تعداد میں وصیتیں منسوب ہیں جن میں تقویٰ وپرہیزگاری اور اللہ ورسول کی فرمانبرداری پر ابھارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس عہد کی طرف منسوب بعض وصیتوں کے آغاز میں ہمیں بسم اللہ ملتی ہے جب کہ بعض میں نہیں۔ البتہ ظن غالب یہی ہے کہ ہر وصیت بسم اللہ ہی سے شروع کی جاتی ہوگی، البتہ راویوں نے روایت کرتے وقت ہر جگہ اس کو ذکر نہیں کیا ہوگا، جہاں تک اس دور کی وصیتوں کے اسلوب وبیان کی بات ہے تو وہ زیادہ تر سجع وقوافی کی قید وبند سے آزاد ہوا کرتا تھا، البتہ خلفائے راشدین اور صحابہ کی کچھ وصیتوں میں ہمیں بسا اوقات سجع وقافیہ اور طباق وجناس جیسی اسلوبی خصوصیات بھی نظر آ جاتی ہیں۔

اس دور کی وصیتوں کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر وصیتیں بالمشافہہ کی جاتی تھیں اور انھیں رواۃ نے محفوظ کر کے بعد میں تحریر کیا جب کہ بعض وصیتیں ایسی بھی تھیں جو خط وکتابت کے ذریعہ کی جاتی تھیں جیسے حضرت علی کی وصیت عبداللہ بن عباس کے لئے جو ایک خط کے ذریعہ بھیجی گئی تھی۔

3.4.3 عصر اموی میں ادب الوصایا

عصر اموی آتے ہی ادب الوصایا میں خاطر خواہ ترقی واقع ہوئی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا، دراصل یہ دور سیاسی اتھل پتھل اور افراتفری کا دور تھا اور بنوامیہ کا سیاسی نظام ایک موروثی نظام تھا جس کی وجہ سے ان کے حریفوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی اس لئے اس دور میں ہمیں مختلف انواع واقسام کی وصیتوں کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ خلفاء اپنے وارثین کو وصیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو قائدین اور والی اپنے ماتحتوں کو اطاعت وفرمان برداری کی وصیت کرتے ہوئے ملتے ہیں، جب کہ علماء اور اہل تقویٰ حضرات حکام اور خلفاء کو عدل وانصاف وغیرہ کی وصیت کرتے ہوئے دکھتے ہیں، اس کے علاوہ باپ اپنی اولاد کو یا ولی اللہ الأمر اپنے ماتحتوں کو وصیت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، غرض یہ کہ اس دور میں وصیت اپنی مختلف اشکال میں کثرت سے نظر آتی ہے۔

اگر ہم سیاسی نوعیت کی وصیتوں کی بات کریں تو اس دور کی اولین وصیتوں میں سے وہ وصیت ہے جو بنوامیہ کے پہلے خلیفہ اور بانی خلافت حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے اپنے بیٹے زیاد کو اس وقت کی جب انہوں نے اسے عراق کا حاکم بنا کر بھیجا، چنانچہ آپ نے فرمایا: ”يا زياد، لِيكنْ حبُّك و بغضك قصدا، فإن العَثْرة فيهما كامنة، واجعل للنزوع والرجوع بقيةً من قلبك، واحذر صولةَ الانهماك فإنها تؤدى الى الهلاك“

(یعنی اے زیادہ تمہاری محبت اور تمہاری نفرت قصداً وارادۃً ہونا چاہئے، کیوں کہ ان دونوں میں ہی انسان کے لڑکھڑانے اور ٹھوکر کھانے کا خطرہ چھپا ہوتا ہے، جب کسی سے قطع تعلق کرنا ہو یا کسی کی طرف مائل ہونا ہو تو اپنے دل میں تھوڑی سی گنجائش رکھنا، اور کسی بھی امر میں حد سے زیادہ انہماک سے بچنا، کیوں کہ یہ ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے)۔

ایسے ہی یزید بن معاویہ نے اپنے فوجی کمانڈر عبیداللہ بن زیاد کو وصیت کی۔ خلفاء اکثر اپنے وارثین کو وصیت کیا کرتے تھے جو زیادہ تر سیاسی نوعیت کی ہوا کرتی تھی، وہ انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ اپنی رعایا کے ساتھ کیسے پیش آنا ہے، اور ان کا دل کیسے جیتنا ہے۔ اس عہد کی اہم ترین سیاسی وصیتوں میں سے وہ وصیت ہے جو اموی خلیفہ مروان بن حکم نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اس وقت کی تھی جب اسے مصر کا حاکم متعین کیا تھا، یہ اپنی نوعیت کی ایک بہترین وصیت تھی، چنانچہ مروان نے اپنی اس وصیت میں کہا تھا کہ ”أرسل حكيما ولا تُوَصِّهِ، أى بُني، أنظر الى عمالك فإن كان لهم عندك حق غُدْوَةً فلا تؤخره إلى عشية، وإن كان لهم عشية فلا تؤخره إلى غدوة، وإياك أن يظهر لرعيتك منك كذب، فإنهم إن ظهر لهم منك كذب لم يصدقوك في الحق، ... واستشر جلساءك وأهل العلم، وإن كان بك

غضب على أحد من رعيتك فلا تؤاخذه به عند سورة الغضب، واحبس عنه عقوبتك حتى يسكن غضبك، ثم انظر الى اهل الحسب والدين و المروءة فليكونوا أصحابك و جلساءك "

(ترجمہ: اے میرے بیٹے، اپنے عمال کا خیال رکھنا، اگر تمہارے اوپر ان کا کوئی حق صبح کے وقت ہو تو اسے شام تک مت ٹالنا، اور اگر ان کا کوئی حق تمہارے پاس شام کے وقت ہو تو اسے صبح تک مت ٹالنا، اور تمہاری طرف سے کوئی کذب بیانی تمہاری رعایا کے سامنے نہ آنے پائے، کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو وہ حق بات پر بھی تمہاری تصدیق نہیں کریں گے، اور ساتھیوں سے اور اہل علم سے مشورہ ضرور کرلیا کرنا، اور اگر کبھی کسی شخص پر غصہ آجائے تو غصہ کی حالت میں اس کا مؤاخذہ نہ کرنا اور جب تک غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے تب تک اس کو کوئی سزا بھی مت دینا، پھر یہ کوشش کرنا کہ صاحب حسب، دیندار اور بامروت لوگوں کو ہی اپنا ساتھی اور ہم مشرب بنانا)

اس طرح خلیفہ اس وصیت میں اپنے بیٹے کو ان اہم باتوں سے آگاہ کرتا ہے اور قیمتی نصیحتوں سے نوازتا ہے تا کہ وہ ایک کامیاب خلیفہ بن سکے، اور لوگ اس سے محبت کرتے رہیں۔

اسلوب کے اعتبار سے یہ وصیت نہایت سہل اور سادہ انداز میں کہی گئی ہے، نہ تو اس میں کوئی سجع وقافیہ ہے اور نہ ہی کوئی پیچیدگی ہے، یہ وصیت فصاحت و بلاغت کے بلند معیار پر بالکل کھری ثابت ہوتی ہے، اور ساتھ ہی بے انتہا ذو معنی اور قابل عمل بھی ہے، اس طرح کی وصیتوں کو دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ اموی خلفاء اپنے وارثین کے لئے خلافت کو محفوظ اور مضبوط کرنے کے لئے کس قدر کوشاں اور فکر مند رہا کرتے تھے، یہ وصیتیں ان کی اس فکر مندی کو صاف ظاہر کرتی ہیں۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت قائم ہوئی تب ادب الوصایا کا بطور خاص بہت ارتقا ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے ورع وتقویٰ کے لئے جانے جاتے ہیں وہ ایک متقی اور پرہیزگار خلیفہ تھے اور اپنی طرح اپنی رعایا کو بھی ایسے ہی صراط مستقیم پر اور جادۂ حق پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے، اسی لئے وہ خود بھی اپنے والیوں وغیرہ کو وصیتیں کرتے رہتے تھے، اور ساتھ ہی دوسروں کی وصیتوں اور خاص طور سے واعظین کی وصیتوں کے لئے انہوں نے اپنے دروازے وا کر رکھے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو خطوط اپنے والیوں اور سپہ سالاروں کی طرف روانہ کیا کرتے تھے، ان میں بکثرت وصیتیں شامل ہوا کرتی تھیں، جن میں وہ انھیں کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور یہ سمجھاتے تھے کہ معاملہ عدل وانصاف پر مبنی ہو اور ظلم کا قطعاً کوئی سہارا نہ لے، خواہ معاملات مسلم رعایا کے ساتھ ہوں یا غیر مسلم رعایا کے ساتھ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سوانح پر جو اہم کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں آپ کی وصیتیں اور وہ خطوط جن میں آپ کی وصیتیں شامل ہیں موجود ہیں، مثال کے طور پر ابو محمد عبداللہ بن الحکم نے اپنی تصنیف ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیز'' اور ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی نے اپنی کتاب ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیز'' ابن الحکم نے سات صفحات پر مشتمل حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ خط بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے مختلف علاقوں کے حاکموں اور والیوں کے نام روانہ کیا تھا، اور اس میں بہت سی قیمتی وصیتیں موجود تھیں، ان میں آپ نے انھیں خوف خدا اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی خاص تلقین کی تھی۔ اس خط میں آپ کی یہ وصیت بھی موجود ہے، "اجتنبوا الاشغالَ عند حضور الصلوات، فمن أضاعها فهو لما سواها من شرائع الاسلام أشد تضييعا"

(ترجمہ: نماز کے وقت اپنی تمام دوسری مصروفیات کو چھوڑ دو، کیوں کہ جس نے نماز کو ضائع کیا وہ شریعت کے دوسرے احکام کو ضائع کرنے میں اور بھی آگے نظر آئے گا)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ جس طرح خلفاء اپنے وارثین اور والیوں کو وصیت کیا کرتے تھے اسی طرح ان کے والی، عوام الناس، اور علماء ان خلفاء کو وصیت کیا کرتے تھے، یہ چیز ہمیں خاص طور سے عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، اس کا ایک سبب خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ذاتی مزاج اور رجحان تھا جس کے تحت وہ دوسروں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ خود اپنی اصلاح کو بھی پسند فرماتے تھے، بعض اموی خلفاء اس امر کو ناپسند کیا کرتے تھے کہ کوئی ان کے معاملات میں دخل دے اور انھیں وصیت یا نصیحت کرے، لیکن عمر بن عبدالعزیز کا معاملہ اس کے برعکس تھا، وہ اس طرح کی وصیتوں کو پسند کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اپنے زمانے کے مشہور متقی عالم اور واعظ حسن بصری سے یہ درخواست کی کہ وہ انھیں اچھی باتوں کی وصیت کریں چنانچہ حسن بصری نے ایک طویل خط کے ذریعہ انہیں اپنی وصیت لکھ کر بھیجی، اس وصیت میں بہت سی مفید اور قابل عمل نصیحتیں شامل ہیں، چنانچہ حسن بصری اس میں فرماتے ہیں" ولا يَغُرَّنَّك الذين يتنعمون بما فيه بؤسُك ويأكلون الطيبات فى دنياهم بإذهاب طيباتك فى آخرتك، ولا تنظرْ الى قدرتك اليوم ولكن انظر الى قدرتك غدا وأنت مأسور فى حبائل الموت وموقوف بين يد ى الله فى مجمع من الملائكة والنبيين والمرسلين وقد عنت الوجوه للحى القيوم "

(ترجمہ: آپ ان لوگوں سے ہرگز دھوکا مت کھانا جو آپ کی آزمائش اور پریشانی پر خوش ہوتے ہیں، اور آپ کو آخرت کی نیکیوں سے محروم کر کے خود دنیا کی نعمتوں کے مزے اڑاتے ہیں، آج جو طاقت وقوت آپ کے پاس ہے اس کو مت دیکھئے، بلکہ اس طاقت کے بارے میں غور کیجئے جو کل آپ کے پاس اس وقت ہوگی جب موت کے شکنجے میں کسے ہوئے ہوں گے اور جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے جب آپ کے ارد گرد فرشتے اور انبیاء کھڑے ہوں گے اور یہ ہستی بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگی، اس

وقت آپ کی طاقت کیا ہوگی اس کے بارے میں سوچئے!)

اسی نوعیت کی وہ وصیت بھی ہے جو ایک شخص نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو کی تھی، جس میں اس نے خلیفہ کو اپنی رعایا کے ساتھ صدق وصفا سے پیش آنے کی نصیحت کی اور یہ بتایا کہ بلندی پر چڑھنا اگر آسان لگے تو یہ دیکھ لینا کہ اس سے اترنے کا راستہ بہت مشکل تو نہیں، اور یہ سمجھایا کہ بسا اوقات اچانک مصائب نازل ہوجاتی ہیں اس لئے ہمیشہ چوکنا اور محتاط ہوکر ہر کام کریں۔

اس کے علاوہ اس دور میں بہت سی ایسی وصیتیں بھی ملتی ہیں، جن میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس سلسلے میں اموی دور کی ایک سرکردہ شخصیت عمر بن ہبیرہ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے جن کی دو وصیتیں تاریخ وادب کے مراجع میں وارد ہوئی ہیں، ایک تو وہ وصیت ہے جو انہوں نے ایک قائد کو کی تھی اور دوسری وہ جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔

ابن ہبیرہ کی یہ خواہش تھی کہ جو شہرت اور مقام ومرتبہ خلافت بنی امیہ میں انھیں حاصل تھا وہی ان کے بیٹے کو بھی حاصل ہوجائے، وہ اس بات کو لے کر بہت فکرمند اور سنجیدہ تھے اور انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تاکہ وہ اس پر عمل کر کے بلند مقام حاصل کر سکے، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی کہ "لا تكن اولَ مشير، وإياك والرأيَ الفطير، ولا تسترنَّ على مستبدٍّ ولا على وَغْدٍ ولا على متلون ولا على لَجُوج، وخِفِ الله في موافقة هوى المستشير، فإن التماس موافقته لؤم، وسوء الاستماع منه خيانة"

(ترجمہ: سب سے پہلے مشورہ دینے والوں میں نہ ہونا، اور جلد بازی میں لئے ہوئے فیصلے سے بچنا، کسی بھی ظالم، غنڈے موالی، متلون مزاج اور جھگڑالو قسم کے انسان کو مشورہ مت دینا، اور طالب مشورہ کی خواہش اور رائے کی موافقت میں اللہ سے ضرور ڈرنا، کیوں کہ ایسے طالب مشورہ کی تائید کرنے میں ملامت ہے، اور اس کی غلط بات سننا خیانت ہے)

اموی دور کے آخری ایام میں عربی نثر کے اسلوب میں نمایاں تبدیلی واقع ہونے لگی تھی، نثری تحریروں میں سجع وقافیہ کا چلن شروع ہوگیا تھا، چنانچہ یہ تبدیلی ہمیں اس دور کے ادب الوصایا میں بھی صاف نظر آتی ہے چنانچہ عصر اموی کے آخری دور کے ایک ادیب علقمہ بن لبید العطاردی کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہاں مسجع ومقفی عبارتیں بھی صاف نظر آتی ہیں، جو اس عہد کے شروعاتی دور میں ہمیں خال خال ہی دکھائی دیتی ہیں۔ سجع وقافیہ کے علاوہ طباق اور جناس جیسی بلاغت کی بعض خوبیاں بھی صاف دکھائی دیتی ہیں، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مروجہ نثری رجحانات کا اثر ادب الوصایا پر بھی خوب پڑا، جس کے نتیجہ میں اسلوب کی یہ بنیادی تبدیلی واقع ہوئی۔

عصر اموی کے آخری زمانے میں ہمیں دوسرے نثری فنون کے ساتھ ساتھ فن رسائل کے ارتقاء کو بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے، اور اس فن کے ارتقاء میں اس دور کے اہم قلم کار عبدالحمید الکاتب کا نام سب سے نمایاں حیثیت کا حامل ہے، عبدالحمید الکاتب کے لکھے ہوئے خطوط میں بھی ہمیں جا بجا وصیتیں نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر انہوں نے ١٢٩ھ میں جو خط اموی خلیفہ مروان بن محمد کی طرف سے عبداللہ بن مروان کو لکھا تھا اور جو تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل تھا اس میں بہت سی سیاسی سماجی اور دینی نوعیت کی وصیتیں موجود ہیں جو بے پایاں ادبی اہمیت کی حامل ہیں، ان میں سجع وقافیہ کا بھی غلبہ نظر آتا ہے۔

اموی دور کے ابتدائی دور اور آخری دور کی وصیتوں کے درمیان ایک اہم فرق اسلوب کا فرق تھا، ابتدائی دور کی وصیتوں کا اسلوب سہل اور آسان تھا اور اس میں سجع وقافیہ کا غلبہ اس قدر نہیں تھا جتنا ہمیں اموی دور کے آخری زمانہ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس دور کی وصیتوں میں اسلامی تعلیمات کا بھی خاصہ اثر دیکھنے کو ملتا ہے، البتہ قرآن وحدیث کی نصوص کا استعمال شاذ ونادر ہی ہوا کرتا تھا، عبدالحمید الکاتب کے دور میں چونکہ فن رسائل کو فروغ حاصل ہوا اور یہ رسائل اکثر طویل ہوا کرتے تھے اس لئے ان کے ضمن میں وارد ہونے والی وصیتوں میں یہ طویل اور تفصیلی انداز صاف نظر آتا ہے۔

3.5 خلاصہ

اس دور کے خطوط کا جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چاہے وہ خطوط سیاسی نوعیت کے ہوں، یا دینی نوعیت کے ہوں یا ذاتی نوعیت کے ہوں ان سب میں ہمیں ادبی اسلوب اور فنی حسن وجمال نظر آتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے جو بھی خط لکھتا تھا وہ اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا کہ وہ بہترین سے بہترین الفاظ میں اور نہایت جامع انداز میں اپنی بات اپنے مخاطب تک پہنچائے تاکہ اس کی بات اتنی ہی اثر انداز ثابت ہو۔ خطوط نویسی کی مذکورہ ہر صنف کا اپنا ایک منفرد اسلوب تھا جس کو حسب ضرورت اختیار کیا جاتا تھا، مثلاً جو خطوط فوجی سپہ سالاروں اور والیوں کو بھیجے جاتے تھے ان کا انداز اور لب ولہجہ مجاہدانہ اور سخت ہوتا تھا جب کہ جو خطوط پند ونصائح پر مبنی ہوتے تھے ان کا انداز اور لب ولہجہ واعظانہ اور

ناصحانہ ہوتا تھا۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ ذاتی خط وکتابت میں بھی لغوی حسن وجمال کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ البتہ ذاتی خطوط کی اکثریت ہم تک نہ پہنچ سکی۔ اسی طرح وصیتیں بھی ہر موقع اور ہر مناسبت کے اعتبار سے اپنا ایک الگ اسلوب اور انداز اختیار کرتی تھیں، وصیتوں کا سلسلہ جاہلی دور سے شروع ہوا، پھر قرآن وحدیث میں بھی اس کو خاص جگہ ملی، اور عصر اموی میں اس کو خاص مقام ومرتبہ حاصل ہوا، سیاسی، واعظانہ اور ذاتی وصیتوں کی کئی مثالیں بھی ہمارے سامنے آئیں۔

3.6 فرہنگ

الأشغال	مصروفیات
البؤس	بدبختی اور پریشانی
الرأی الفطیر	جلد بازی میں لیا ہوا فیصلہ
مستبد	ظالم
جلف	سخت مزاج

3.7 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

۱۔	تاریخ الأدب العربی	العصر الاسلامی	شوقی ضیف
۲۔	ادب الوصایا		احمد امین مصطفیٰ
۳۔	تاریخ الادب العربی		عمر فروخ
۴۔	تاریخ الادب العربی		احمد حسن الزیات
۵۔	ادب العرب		زبید احمد
۶۔	تاریخ عربی ادب		ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی

(https://archive.org/details/TareekhEArabiAdab/page/n3)